Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 02, April - June 2026, **PP**: 172-184
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

فاطمی خلافت کے ریاستی ڈھانچے کا تعارفی مطالعہ

An Introductory Study of the State Structure of the Fatimid Caliphate

1. Fatima Gulzar fatimagulzar86@gmail.com	*Ph.D. Scholar,* *Department of Islamic Thought, History and Culture, Allama Iqbal Open University, Islamabad.*
2. Dr. Jamil Ahmad Sindhu jamilsandhu72@gmail.com	*Assistant Professor,* *Department of Islamic Studies,* *NCBA&E ALHAMRA University (Sub Campus) Bahawalpur.*

How to Cite: Fatima Gulzar and Dr. Jamil Ahmad Sindhu. 2026: "An Introductory Study of the State Structure of the Fatimid Caliphate". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (02): 172-184.

Article History: **Received**: 25-05-2026 | **Accepted**: 25-06-2026 | **Published**: 30-06-2026

Copyright: **©The Authors**

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

DRJI, Advanced Science Index, CiteFactor, Asian Research Index, SCI, Google Scholar, تحقیقات, ADL Asian Digital Library, EuroPub, اردو جرائد

Publisher

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

فاطمی خلافت کے ریاستی ڈھانچے کا تعارفی مطالعہ

An Introductory Study of the State Structure of the Fatimid Caliphate

1. **Fatima Gulzar**
   Ph.D. Scholar, Department of Islamic Thought, History and Culture, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
   fatimagulzar86@gmail.com

2. **Dr. Jamil Ahmad Sindhu**
   Assistant Professor,
   Department of Islamic Studies, NCBA&E ALHAMRA University (Sub Campus) Bahawalpur.
   jamilsandhu72@gmail.com

Abstract

This study explores the structural framework of the Fatimid Caliphate 909–1171 CE highlighting its distinctive integration of religious authority with political governance. The research presents an analytical overview of the caliphate's core institutions, including its political hierarchy, administrative divisions, financial mechanisms, and judicial systems. Initially, the Fatimid caliphs wielded absolute control, serving as both spiritual Imams and temporal rulers. However, as the caliphate evolved, power increasingly shifted to viziers, whose roles were classified into "vizierate of execution" and "vizierate of delegation" based on the level of autonomy they exercised. The study also sheds light on the inclusion of non-Muslims such as Christians and Jews in key administrative and diplomatic positions, reflecting the regime's pragmatic approach to governance and religious pluralism. Moreover, the analysis examines the functioning of critical state departments dawawin, the financial system driven by land tax khirāj, zakāt and state expenditure, as well as the judiciary based on Ismāʿīlī jurisprudence. Military organization, corruption, hereditary appointments and political instability are also discussed as factors contributing to the state's decline. By synthesizing classical and contemporary sources, this paper reconstructs the sociopolitical model of the Fatimid era and highlights its relevance in discussions on Islamic governance.

Keywords: *Administrative System, Fatimid Caliphate, Financial Institutions, Judicial Reforms, Political Structure.*

موضوع کا تعارف و تاریخی پس منظر

فاطمی خلافت 909–1171ء اسلامی تاریخ کی ایک منفرد اور نظریاتی بنیاد پر قائم ہونے والی شیعی اسماعیلی حکومت تھی، جس نے شمالی افریقہ، مصر، شام اور صقلیہ پر دو صدیوں سے زائد عرصہ حکمرانی کی۔ اس خلافت کی بنیاد عبید اللہ مہدی نے رکھی، جو خود کو اہل بیت کا وارث اور امام معصوم قرار دیتا تھا۔ فاطمی خلافت کا نظام کوئی عام بادشاہت والا نہیں تھا۔ یہ ایک پوری کی پوری مذہبی حکومت تھی۔ بالفاظ دیگر کہیں تو خلیفہ کے پاس ساری طاقت تھی۔ مذہب، سیاست، عدالت، پیسہ ہر چیز کا اختیار اسی کے ہاتھ میں تھا۔ قاہرہ کی بنیاد کے ساتھ ہی فاطمی حکمرانوں نے خلافت کو ایک مقدس ادارے کے طور پر پیش کیا جو علم، دعوت اور روحانی رہنمائی کا مرکز بنا۔ ان کے تحت قائم ادارہ جاتی نظام جیسے دواوین، وزارت، عدلیہ اور مالیات نے ایک ہمہ جہت ریاستی ڈھانچے کی بنیاد رکھی۔ اس خلافت کا امتیاز اس کی مذہبی رواداری، علمی و ثقافتی ترقی اور غیر مسلموں کی شمولیت میں پنہاں ہے۔ اس تحقیقی مطالعے کا مقصد فاطمی

خلافت کے ریاستی ڈھانچے کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے اس کی ان جہات کو اجاگر کرنا ہے جو آج کے دور میں ریاستی حکمرانی، سماجی شمولیت اور مذہبی ہم آہنگی کے لیے رہنما ثابت ہو سکتی ہیں۔

ریاستی نظام کا اثر فاطمی دور کی روزمرہ زندگی میں اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کے ذریعے عیاں ہوتا ہے۔ مثبت پہلو یہ ہے کہ خلافت کا اختیار خلیفہ کے پاس براہ راست یا بلا واسطہ طور پر ملک اور عوام کی بھلائی کے لیے باقی رہتا ہے۔ جبکہ منفی پہلو تب ظاہر ہوتا ہے جب اختیار وزراء اور دیگر امراء کے ہاتھوں میں آ جاتا ہے، جو ناجائز طریقوں، سازشوں اور جبر کے ذریعے اس اقتدار کو حاصل کرتے ہیں، جس سے ملک اور عوام کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ ان کے سیاسی نظام کو دیکھ کر اس دور کی شان و شوکت کا پتا چلتا ہے۔ یہ عظمت خاص طور پر اس وقت نظر آتی تھی جب ایک خلیفہ کے بعد نیا خلیفہ چنا جاتا تھا۔ اس سے ہمیں ان تمام رسموں کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے جو اس موقع پر ادا کی جاتی تھیں۔ ان کے سرکاری نظام کو سمجھنے سے ہمیں فاطمی معاشرے کی ایک جھلک ملتی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ حکومت کے شعبے کیسے بنے ہوئے تھے اور دفتری نظام کس طرح کام کرتا تھا، جس کی وجہ سے لوگوں کی سماجی زندگی اس وقت کے قوانین کے مطابق چلتی تھی۔ فاطمی مالیاتی نظام کا مطالعہ ہمیں ریاست کی آمدنی اور اخراجات سے متعلق آگاہی فراہم کرتا ہے۔ آمدنی کے ذرائع میں خراج، جزیہ، زکوٰۃ، عشر، املاک، ضبط شدہ اثاثے اور مختلف محصولات شامل تھے۔ جبکہ اخراجات کی مدات میں تنخواہیں، عطیات، فوج اور بحری بیڑے کی تیاری و اسلحہ بندی، خزانے کی دیکھ بھال، عیدین اور دیگر تہواروں پر اخراجات، مساجد اور کتب خانوں کو دی جانے والی امداد شامل تھی۔ ان کے انصاف کے نظام پر ایک چھوٹی سی نظر ڈالنے سے ہی فاطمی معاشرے کی پوری تصویر صاف ہو جاتی ہے، خاص طور پر جب ہم ان کے حسبہ یعنی نگرانی کا ادارہ پولیس اور جیل کے انتظامات کو دیکھتے ہیں۔ اس میں عدالتی فیصلوں اور انصاف کے اصولوں کو بغیر کسی جھوٹ یا مبالغہ کے پیش کیا گیا ہے، اسی سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کے فیصلوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ مطلب یہ کہ معاشرے میں امن، انصاف اور سکون تھا یا پھر قانون کی کوئی نہیں سنتا تھا اور جس کا جو دل کرتا وہی کرتا تھا۔

عہد فاطمی کا سیاسی نظام

خلافت کے نظام سے متعلق تفصیل درج ذیل ہے:

اوّل: خلافت

فاطمی دور میں خلفاء کو مکمل دینی و سیاسی اختیارات حاصل تھے۔ اور وہ ریاست کے اعلیٰ ترین سربراہ تصور کیے جاتے تھے۔ یعنی سارے سرکاری، مالی اور انصاف سے جڑے فیصلے تو یہی لوگ کرتے تھے، لیکن آخری حکم ہمیشہ خلیفہ کا ہی ہوتا تھا اور ہر فتویٰ اسی کے نام سے جاری ہوتا تھا۔ قاہرہ کے قیام سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک، خلفاء نے حکومت پر بھرپور اختیار رکھا، بعد میں ان کی طاقت زوال پذیر ہو گئی۔ مقریزی کے مطابق، خلیفہ کی بیعت اور تخت نشینی عظمت و جلال کے مظاہرے ہوتے تھے۔ خلیفہ کو "مقدس خدائی حق" کا حامل سمجھا جاتا، جس کے احترام میں رعایا رکوع و سجدہ کرتی تھی۔[1]

مقریزی کے مطابق، فاطمی خلیفہ ریاست کا مطلق حکمران تھا، جس کے پاس دینی و سیاسی دونوں اختیارات ہوتے تھے۔ وہ فوج کا کمانڈر، سب سے بڑا جج، اور شکایتوں کی سب سے بڑی عدالت کا نگران بھی تھا۔ خلیفہ وزراء، گورنروں اور قاضیوں کی تقرری کرتا اور جاگیریں عطا کرتا تھا۔ مسجدوں کے منبروں، سکوں اور خاص کپڑوں پر اسی کا نام لکھا جاتا تھا۔ جب کوئی قدرتی مصیبت آتی، تو لوگ دعا کے لیے بھی اسی کی طرف دیکھتے تھے۔ جہاد کی تلقین اور افواج کی نگرانی بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ المعز اور عزیز باللہ کے بعد خلفاء کمزور ہو گئے، وزراء اور باغیوں کی سازشوں نے خلافت کو عدم استحکام کا شکار کر دیا۔[2] پھر الحاکم بامر اللہ نے خود حکومت کی

اور باقی تمام لوگوں کو فارغ کر دیا۔ اس کے بعد تو اس نے بڑا ظلم شروع کر دیا، خاص کر دوسرے مذہب والوں پر اور ان مسلمانوں پر جو شیعہ نہیں تھے۔ اس نے اپنی بہن ست الملک پر بدکاری کا الزام لگایا، جس کے جواب میں اس کی بہن نے ابن بدواس کے ساتھ مل کر اس کے قتل کی سازش تیار کی۔ اس کے بعد اس کی جگہ اس کے بھتیجے الظاہر لاعزاز دین اللہ کو تخت پر بٹھایا گیا اور چار سال تک ست الملک نے حکومت کے تمام امور سنبھالے۔ الظاہر لاعزاز دین اللہ کو مکمل اقتدار نہیں ملا کیونکہ ابو طالب الحسین العجمی، ابو القاسم علی بن احمد الجر جرائی اور محسن بن بدواس جیسے افراد نے خود کو اقتدار میں شریک کر لیا اور خلیفہ سے تمام ملاقاتیں محدود کر دیں۔[3] اگرچہ کچھ خلفاء نے اس دور میں اپنی طاقت واپس لینے کی کوشش کی، لیکن انہیں زیادہ کامیابی نہیں ملی کیونکہ وزراء اپنی طاقت کو مضبوط کر چکے تھے اور ریاست کے سیاسی، فکری اور مذہبی بوجھ نے ان کے اقتدار کو کمزور کر دیا تھا۔ اس دوران فاطمی خلافت کو عباسیوں، قرامطہ، ترکوں اور صلیبیوں کے خلاف مسلسل جنگوں کا سامنا رہا اور قاہرہ میں اسماعیلی قیادت کے تحت شیعی دعوت بھی اس کا حصہ بنی رہی۔[4]

فاطمی خلافت کی زوال پذیری میں متعدد داخلی اور خارجی عوامل شامل تھے۔ قحط، وبا اور مالی بحرانوں کے باعث عوامی بغاوتیں بڑھ گئیں، جن سے ریاست کی مالی بنیادیں کمزور ہو گئیں اور فوجیوں کی تنخواہوں میں تاخیر ہونے لگی۔ خواتین کی حکومتی معاملات میں مداخلت، نابالغ و بیمار خلفاء کی تقرری اور وزراء کی من مانیاں بھی خلافت کو نقصان پہنچانے والے اسباب تھے۔ خاندان کے اندرونی اختلافات اور اسماعیلی جماعت کی نزاریہ و مستعلیہ میں تقسیم نے سیاسی عدم استحکام کو مزید بڑھایا۔ خلافت کا وراثتی نظام جسے الٰہی علم تأویل کی منتقلی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، بعد ازاں بد اعتمادی کا سبب بنا۔ جب خلفاء کمزور ہو گئے، تو خلیفہ کی تقرری وزراء کے ہاتھوں میں آ گئی۔ المستنصر باللہ نے اپنے بیٹے نزار کو جانشین بنایا، پر وزیر افضل نے بازی ہی پلٹ دی۔ اس نے اسے راستے سے ہٹا کر اپنی مرضی سے المستعلی کو خلیفہ بنا دیا۔ نزار نے بغاوت کی، مگر گرفتار ہو کر قید میں مارا گیا۔ ان واقعات نے نہ صرف خلافت کی مرکزیت کو توڑا بلکہ ریاست کے داخلی توازن کو بھی بری طرح متاثر کیا۔[5]

افضل بن بدر الجمالی کے اقدام سے اسماعیلی جماعت مستعلیہ اور نزاریہ میں تقسیم ہو گئی۔ افضل نے مستعلی باللہ کے بعد اس کے کمسن بیٹے الامر بأحکام اللہ کو خلیفہ بنایا اور خود اختیارات سنبھال لیے۔ بعد میں وزراء جیسے عباس بن بادیس، طلائع بن رزیق اور ست الملک نے بھی خلیفہ مقرر کرنے میں کردار ادا کیا۔ خلافت موروثی ہو گئی اور اصل اقتدار وزراء کے ہاتھ میں آ گیا۔[6] فاطمی خلافت کا تہذیبی ڈھانچہ سیاسی، انتظامی، مالی اور عدالتی نظام پر مشتمل تھا۔ ابتدا میں خلفاء مضبوط اور بااختیار تھے، لیکن بعد میں وزراء نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ مذہبی و دنیوی دونوں اختیارات کا حامل تھا، مگر رفتہ رفتہ رسمی حیثیت تک محدود ہو گیا۔ مالی نظام خراج، زکوٰۃ اور جزیہ پر مبنی تھا، جبکہ عدالتی نظام سازشوں سے متاثر ہوا۔ آخر کار خلافت کمزور ہو گئی۔

دوم: وزارت

عباسی خلفاء وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے اپنی ریاست کے امور چلانے کے لیے وزراء کا تقرر کیا اور انہوں نے وزیر کا عہدہ فارسیوں سے لیا۔ پہلے وزیر کے طور پر ابو سلمہ حفص بن سلیمان الخلال کو ابو العباس السفاح نے 132-136 ہجری / 750-754 عیسوی میں مقرر کیا۔ اس سے پہلے حاجب وزیر کا کام انجام دیتا تھا۔ مصر میں اسلامی دور میں وزیر یا وزارت کا عہدہ اخشیدی دور 323-358 ہجری / 934-968 عیسوی میں پہلی بار سامنے آیا، جب جعفر بن فرات کو اخشید کے لیے وزیر مقرر کیا گیا۔ اس دور میں اس کی اعلیٰ حیثیت تھی، وہ باقی حکومتی عہدیداروں اور فوجی قائدین پر مقدم تھا، اس کے دروازے پر کئی محافظ کھڑے رہتے، اور اس کے آگے مسلح غلام ہوتے۔[7] جب جوہر الصقلی نے مصر فتح کیا تو اس نے جعفر بن فرات کو "وزیر" کہہ کر پکارا، حالانکہ اس وقت فاطمی

حکومت میں وزیر کا باقاعدہ عہدہ نہیں تھا اور حاجب ہی یہ کام کرتا تھا۔ بعد میں عزیز باللہ نے 368 ہجری / 978 عیسوی میں یعقوب بن کلس کو پہلا باضابطہ وزیر مقرر کیا۔ فاطمی دور میں وزارت کی دو اقسام تھیں: وزارت تنفیذ، جو خلیفہ کے احکامات پر عمل کرتی، اور وزارت تفویض، جس میں وزیر کو مکمل اختیارات حاصل ہوتے تھے جیسے قاضیوں کی تقرری اور مالیات کی نگرانی۔

وزارت کے اختیارات اور خلیفہ کی آئینی بالادستی

جرجی زیدان کے مطابق، وزیر کو خلیفہ کی طرف سے تمام انتظامی و سیاسی معاملات میں اختیارات دیے جاتے تھے، لیکن کچھ معاملات میں وزیر کے اختیار کو محدود رکھا گیا تھا۔ ان میں سے پہلی پابندی "ولایت عہد" کے حوالے سے ہے، جس کا فیصلہ صرف خلیفہ کر سکتا تھا۔ یہ انتظام اس لیے تھا کہ ولی عہد کی تقرری براہ راست خلیفہ کے ہاتھ میں ہو تاکہ خاندانی وراثت اور خلافت کا تسلسل خلیفہ کی نگرانی میں رہے اور وزیر اس معاملے میں مداخلت نہ کر سکے۔ دوسری پابندی "عزل" کے معاملے میں ہے، جس میں خلیفہ کو حق دیا گیا ہے کہ وہ وزیر کے مقرر کردہ کسی بھی عہدیدار کو معزول کر سکے، لیکن وزیر کو خلیفہ کی مقرر کردہ کسی شخصیت کو معزول کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔[8] یہ پابندی اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ خلیفہ کا اختیار وزارتی فیصلوں پر بالا رہے۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ حکومت چھوڑنے کا اختیار صرف خلیفہ کے پاس تھا۔ مطلب اگر خلیفہ کا دل بھر گیا تو وہ تخت چھوڑ سکتا تھا اور وزیر اس معاملے میں کچھ نہیں بول سکتا تھا۔ یہ فیصلہ صرف اور صرف خلیفہ کا ہوتا تھا۔ یہ تینوں پابندیاں خلیفہ کی اعلیٰ حیثیت کو برقرار رکھتی ہیں اور خلیفہ کے اختیار کی وضاحت کرتی ہیں۔ لیکن ان تین امور کی خلاف ورزی وزیر افضل بن امیر الجیوش بدر الجمالی، وزیر عباس اور وزیر طلائع بن رزیک کے دور وزارت میں کی گئی۔

فاطمی دور میں وزیر تنفیذ کو امور حکومت میں خلیفہ کے ماتحت اور ان کی ہدایات پر عمل کرنا ہوتا تھا، حتیٰ کہ یعقوب بن کلس جیسے بااختیار وزیر کو بھی مکمل خودمختاری حاصل نہیں تھی۔ عزیز باللہ کے حکم سے سرکاری مراسلات وزیر کے نام سے جاری ہوتے، مگر خلیفہ ان پر دستخط کرتے۔ فاطمی وزارت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا: وزارت تنفیذ اور وزارت تفویض۔ وزارت تنفیذ کے وزیر خلیفہ کے ماتحت ہوتے اور صرف اس کے احکامات پر عمل کرتے تھے۔ وزارت تفویض کا وزیر وسیع اختیارات کا مالک ہوتا اور ریاستی امور میں خلیفہ سے ہٹ کر فیصلے کرتا۔[9]

وزراء کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا: ارباب قلم اور ارباب سیف۔ ارباب قلم، جیسے یعقوب بن کلس اور الیازوری، امور حکومت میں خلیفہ کے ساتھ بیٹھتے تھے جبکہ ارباب سیف جیسے بدر الجمالی اور برجوان، فوجی و عسکری معاملات میں فیصلے کرتے تھے اور فوج کی قیادت کرتے تھے۔ بدر الجمالی نے عہد المستنصر باللہ میں حکومت سنبھالی اور اپنی طاقت مستحکم کر کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے، حتیٰ کہ خلیفہ کے بعض اختیارات بھی اس نے حاصل کر لیے۔

فاطمی خلافت میں غیر مسلم وزراء کا تقرر

فاطمی خلافت کے دور میں وزارت کا عہدہ غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا، جس پر صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ بعض اوقات غیر مسلم، خصوصاً نصرانی افراد بھی فائز ہوئے۔ فہد بن ابراہیم نصرانی، جو ابتدا میں کاتب تھے، کو الحاکم بامر اللہ کے دور میں وزیر بنایا گیا اور "الرئیس" کا لقب دیا گیا۔ اسی طرح ابو نصر بن عبدون کو 400 ہجری / 1009 عیسوی میں وزارت سونپی گئی، اور خلیفہ نے انہیں اپنے دستخط کی اجازت دی۔[10] زرعہ بن نسطورس، عزیز باللہ کے وزیر عیسیٰ بن نسطورس کے بھائی تھے، جنہیں کاتب سے ترقی دے کر وزیر مقرر کیا گیا۔ المستنصر باللہ کے عہد میں ابو سعد منصور، جو پہلے نصرانی تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے، وزارت کے منصب پر فائز

ہوئے۔ الامر بأحکام اللہ کے دور میں نصرانی راہب ابو نجاح بن قنا کو وزیر مقرر کیا گیا اور انہیں خصوصی لباس پہننے کی اجازت دی گئی، جبکہ الحافظ لدین اللہ نے 529 ہجری / 1134 عیسوی میں بہرام نصرانی کو وزیر بنایا اور ان کی وفات پر خلیفہ نے گہرا رنج ظاہر کیا۔[11] ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاطمی خلفاء اہل ذمہ اور سنی افراد کو بھی اہم ریاستی مناصب پر فائز کرتے تھے، جس سے وزارت کی وسعت اور خلیفہ کے بعد اس کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

فاطمی خلافت میں وزیروں کا بڑا عمل دخل تھا۔ باالفاظ دیگر دو طرح کے وزیر ہوتے تھے: ایک وہ جو صرف خلیفہ کا حکم مانتا تھا اور اس کے کام کرتا تھا۔ دوسرا وزیر وسیع اختیارات کا حامل تھا، جسے حکومت چلانے کی مکمل آزادی ملی ہوتی تھی۔ خلیفہ کے بعد وہی سب سے زیادہ تھا۔ لیکن کچھ اختیارات پھر بھی خلیفہ نے اپنے پاس ہی رکھے ہوئے تھے۔ بعد میں تو وزیر ہی سب کچھ بن گئے۔ انہوں نے ساری طاقت اپنے قبضے میں کر لی، حتیٰ کہ غیر مسلموں کو بھی وزیر بنالیا۔ اسی چکر میں خلافت کی شان وشوکت ماند پڑ گئی گئی۔

عہدِ فاطمی کا اداریاتی نظام

فاطمی حکومت میں سرکاری نظام کئی عہدوں اور وزارتوں سے چلتا تھا، لیکن وزیروں کا مقام سب سے اہم تھا۔ اس نظام میں وزیر، قاضی القضاۃ، داعی الدعاۃ اور صاحب الباب جیسے عہدے اہم تھے۔ ان کی سوچ اسماعیلی تھی، اسی لیے اس پورے نظام کا مقصد ہی یہ تھا کہ خلیفہ، دین اور دنیا دونوں معاملوں میں طاقتور رہے۔[12] فاطمی خلافت کا اداریاتی نظام ایک مضبوط اور منظم ڈھانچے پر مشتمل تھا، جو مختلف وزارتوں اور عہدوں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔ دیگر اہم عہدوں میں قاضی القضاۃ، داعی الدعاۃ اور صاحب الباب شامل تھے، جو خلیفہ کے دینی وسیاسی اختیارات کو تقویت دیتے تھے۔ جوہر الصقلی نے معزلدین اللہ کی نیابت میں چار سال تک مصر پر حکمرانی کی اور مکمل سیاسی وانتظامی اختیارات استعمال کیے۔[13] یہ نظام فاطمی خلافت کی سیاسی و دینی طاقت کو مستحکم کرنے اور انتظامی امور کو منظم کرنے کا اہم ذریعہ تھا۔

محکموں کی تقسیم

فاطمی انتظامی نظام کے اصول وضوابط کو حقیقی طور پر وزیر یعقوب بن کلس نے منظم کیا۔ اس انتظامی حکمت عملی میں ایک خامی یہ تھی کہ عہدوں کے لیے زیادہ تر بڑی اور مالدار خاندانوں سے افراد کا انتخاب کیا گیا، جس کے نتیجے میں یہ عہدے تقریباً موروثی بن گئے۔ اکثر دیکھا گیا کہ باپ کے بعد بیٹا انہی عہدوں پر فائز ہوتا، جو عوام اور مختلف طبقات کے درمیان جھگڑوں کا سبب بنا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فاطمی ریاست کے سرکاری حلقوں میں بدعنوانی در آئی تھی، اور عہدوں کے موروثی ہونے کی وجہ سے اہلکار دولت بٹورنے اور جائیدادیں ضبط کرنے میں ملوث ہو گئے تھے۔ اس بدعنوانی سے نمٹنے کے لیے الحاکم بامر اللہ کو ایک فرمان جاری کرنا پڑا جس میں کاتبوں اور دیگر اہلکاروں کو رشوت لینے سے روکا گیا اور ان قاضیوں کو سزا دی گئی جنہوں نے بیواؤں اور یتیموں کی جائیدادوں پر قبضہ کیا تھا۔[14]

فاطمی خلافت کا انتظامی ڈھانچہ نہایت منظم تھا، جسے تین بڑے علاقوں میں تقسیم کیا گیا تھا: شمالی افریقہ، جہاں "ولاۃ" خلیفہ کے نمائندے کے طور پر حکمرانی کرتے؛ مصر، جس کی نگرانی براہ راست خود خلفاء کرتے؛ اور شام وفلسطین، جہاں خلیفہ کے نائبین حکمران ہوتے۔ حجاز ویمن صرف دینی اعتبار سے فاطمی خلافت کے ماتحت تھے، جبکہ سیاسی طور پر وہ خود مختار رہے۔ مصر کو مزید مختلف اقالیم میں تقسیم کیا گیا، جن پر "والی" مقرر ہوتا تھا۔ وہ امن وامان، عدل، ٹیکس، جبری مشقت اور فوجی امور کا ذمہ دار ہوتا۔ ہر علاقے کو چھوٹے چھوٹے حصوں، جنہیں وہ 'کور' کہتے تھے، میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور ہر گاؤں کا ایک سربراہ ہوتا تھا جسے 'زعیم' کہا جاتا تھا۔[15]

فاطمی خلافت کا انتظام وزیر یعقوب بن کلس کے تحت منظم ہوا، مگر عہدے اکثر بااثر خاندانوں کو ملے، اس کی وجہ سے بدعنوانی اور

خاندانی راج عام ہو گیا۔ الحاکم بامر اللہ نے رشوت کے خلاف اقدامات کیے۔ خلافت تین علاقوں میں تقسیم تھی: شمالی افریقہ، مصر، اور شام و فلسطین۔ انہوں نے مصر کو آگے کئی صوبوں اور ضلعوں 'کور' میں بانٹا ہوا تھا۔ ہر جگہ پر ایک والی اور ایک مقامی سربراہ ہوتا تھا، جن کا کام لوگوں کا خیال رکھنا، ٹیکس اکٹھا کرنا، اور علاقے میں امن و امان قائم رکھنا تھا۔[16] اس منظم تقسیم کے باوجود، موروثی عہدوں اور بدعنوانی کی وجہ سے انتظامی نظام میں عوامی شکایات اور تنازعات عام ہو گئے۔

دواوین کی تنظیم اور ارتقاء

دواوین یعنی سرکاری محکمے کا قیام اور ان کی تنظیم مصر میں فاطمی حکومت کے دور میں ایک اہم انتظامی پہلو تھا۔ جوہر الصقلی نے مصر میں خلافت کی نیابت کے دوران قصرِ خلافت میں دواوین قائم کیے۔ جب المعز لدین اللہ مصر آیا اور اپنے قصر میں قیام کیا تو اس نے جوہر الصقلی کی جانب سے قائم کیے گئے دواوین کو اسی جگہ بر قرار رکھا۔ تاہم وزیر یعقوب بن کلس نے، جب وہ عزیز باللہ کا وزیر مقرر ہوا، ان دواوین کو اپنی رہائش گاہ، جو "دارالوزارت" کے نام سے مشہور ہوئی، منتقل کر دیا۔ اس دوران ابن کلس نے دواوین کے عملے کے لیے مخصوص لباس ریشمی کپڑے اور اسلحہ باندھنے کا رواج متعارف کروایا۔ ابن کلس کی وفات کے بعد 380ھ / 990ء میں، عزیز باللہ نے دواوین کو دوبارہ قصر خلافت میں منتقل کر دیا، جہاں یہ اس وقت تک رہے جب تک الحاکم بامر اللہ نے 409ھ / 1018ء میں ابو الفتح مسعود بن ظاہر الوزان کو وزیر مقرر کیا، جس نے دواوین کو اپنی رہائش گاہ منتقل کر دیا۔ اس کے بعد، الافضل ابن امیر الجیش بدر الجمالی نے 501ھ / 1107ء میں دواوین کو اپنی نئی تعمیر شدہ رہائش گاہ "دارالوزارت الکبریٰ"، منتقل کیا، جہاں یہ اس کے قتل 515ھ / 1121ء تک رہے۔ بعد میں، دواوین کو واپس قصر خلافت منتقل کر دیا گیا اور یہ وہاں موجود رہے یہاں تک کہ فاطمی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔[17]

دواوین کے ملازمین علمی اور ادبی لحاظ سے اعلیٰ تربیت یافتہ ہوتے تھے اور ان کے کپڑے علما و فقہا سے مختلف ہوتے تھے، جو عام طور پر طیلسان ایک خاص قسم کا چوغہ یا چادر پہنتے تھے۔ سرکاری تعطیل غالباً جمعہ کے دن ہوتی تھی، اور اس دن تمام سرکاری دفاتر بند رہتے تھے تاکہ ملازمین نماز جمعہ ادا کر سکیں۔ تاہم اہم شخصیات کی وفات کے موقع پر بھی دواوین کو کئی دنوں کے لیے بند کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ وزیر یعقوب بن کلس کی وفات پر دواوین 18 دن تک بند رہے۔[18]

فاطمی دور کے اہم دواوین

فاطمی خلافت میں کئی اہم دواوین قائم کیے گئے جو ریاستی نظام کو مضبوط بنانے میں مددگار ثابت ہوئے۔ ایک خط و کتابت کا دفتر تھا جہاں سے سارے سرکاری مراسل اور حکم جاری ہوتے۔ ایک فوج کا مرکزی دفتر تھا۔ ایک ڈاک کا محکمہ تھا جو خبریں بھی پہنچاتا تھا۔ تنخواہیں بانٹنے والا دفتر الگ تھا۔ زمینوں کا ٹیکس اکٹھا کرنے والا محکمہ بھی تھا۔ بادشاہ کی ذاتی زمینوں کا حساب رکھنے والا محکمہ الگ تھا۔ پھر ایک محاسبہ کا دفتر تھا جو سب کے حساب کتاب پر نظر رکھتا تھا۔ ایک سرکاری خزانہ تھا اور آخر میں، ایک عدالت اور انصاف کا محکمہ بھی تھا۔ یہ دواوین خط و کتابت، فوج، مالیات، عدلیہ اور نظم و نسق سے متعلق امور کی نگرانی کرتے اور انتظامی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔[19]

دیوان الانشاء والمکاتبات

فاطمی خلافت کے دور میں دیوان الانشاء والمکاتبات خط و کتابت اور مراسلات کا محکمہ ایک انتہائی اہم ادارہ تھا۔ اس دیوان کا سربراہ "صاحب دیوان الانشاء" یا "کاتب الدست الشریف" کہلاتا تھا اور اسے "الشیخ الاَجل" کے لقب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ یہ

عہدہ ان افراد کو دیا جاتا تھا جو فصاحت و بلاغت میں ماہر ہوں اور ان کا شمار عمدہ لکھنے والوں میں ہو۔ کبھی کبھار اس عہدے کو "کاتب السرۃ" بھی کہا جاتا تھا۔ صاحب دیوان الانشاء کو والیان ریاست سے موصول ہونے والی مراسلات کو خلیفہ تک پہنچانے اور ان پر عمل درآمد کے لیے جوابات جاری کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ یہ محکمہ انتہائی حساس تھا اور کسی کو بھی اس دیوان میں بغیر اجازت داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی، سوائے خلیفہ کے قریبی افراد کے۔ اگر کسی اہم معاملے کی اطلاع دیوان کے سربراہ کو ملتی تو وہ فوراً خلیفہ کو اس سے آگاہ کرتے اور اکثر اوقات خلیفہ ان سے مختلف امور میں مشاورت بھی کرتے۔[20]

دیوان کے ملازمین اور ان کی اہلیت

فاطمی خلفاء اپنے دیوان الانشاء کے سربراہوں کو فصاحت و بلاغت میں ممتاز افراد میں سے منتخب کرتے تھے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا ذمی۔ مثال کے طور پر :

- عزیز باللہ کے دور میں یعقوب بن کلس، ابو عبد اللہ الموصلی، اور ابو منصور بن حورس النصرانی نے اس عہدے پر خدمات انجام دیں۔
- الحاکم بامر اللہ کے دور میں ابن حورس کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔
- الحافظ لدین اللہ کے دور میں ابو الحسن علی ابن ابی اسامہ الحلبی نے یہ عہدہ سنبھالا اور ان کے بعد ان کے بیٹے ابو المکارم نے۔
- ابن منجب الصیرفی اور ابن ابی الدم یہودی نے بھی یہ ذمہ داریاں نبھائیں۔[21]

دیوان الانشاء کا سربراہ درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری تھا: خوش اخلاق، صاف لہجے اور مہذب گفتگو کا ماہر، خاندان اور حسب و نسب میں اعلی و قار اور سنجیدگی کا مظہر، جو کام کو مذاق پر ترجیح دیتا ہو۔ علم و ادب میں ممتاز اور راز داری میں ماہر اور خلیفہ کا قابل اعتماد مشیر اور ہمراز ہو۔ یہ لوگ اکثر خلیفہ کے ساتھ ہی رہتے تھے، راتیں بھی انہی کے ساتھ گزارتے تھے۔ اسی وجہ سے، ملک چلانے کے معاملے میں خلیفہ کو سب سے زیادہ بھروسہ بھی انہی پر تھا۔[22]

دیوان الانشاء اور وزارت

کئی مواقع پر دیوان الانشاء کے سربراہوں کو وزیر مقرر کیا گیا جیسا کہ ابو الفتوح موسیٰ بن حسن، جنہیں 412ھ / 1021ء میں دیوان الانشاء کا سربراہ مقرر کیا گیا اور بعد میں وزیر بنایا گیا۔ ابو الحسن طاہر بن الوزان، جنہوں نے 458ھ / 1066ء میں دیوان الانشاء سے وزارت کا عہدہ سنبھالا۔ کئی وزراء نے وزارت کے بعد دوبارہ دیوان الانشاء کے امور بھی سنبھالے، جیسا کہ یعقوب بن کلس نے عزیز باللہ کے دور میں کیا۔ ان عہدوں کو نہ صرف اعزاز سمجھا جاتا تھا بلکہ ریاست کے رازوں تک رسائی اور اہمیت کی علامت بھی تھے۔[23]

دیوان الانشاء والمکاتبات فاطمی خلافت کا اہم ادارہ تھا، جو ریاستی خط و کتابت اور حکومتی مراسلات کی نگرانی کرتا تھا۔ یہ علمی و ادبی افراد کے لیے مواقع فراہم کرتا اور خلیفہ کا قابل اعتماد مشیر بھی ہوتا۔ اس ادارے نے فاطمی خلافت کی انتظامی اور ثقافتی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ دواوین کی تنظیم یعقوب بن کلس نے کی، جو بعد میں قصر خلافت میں منتقل کیے گئے۔

فاطمی خلافت کا مالی نظام اور ریاست کی آمدنی کے ذرائع

فاطمی خلافت نے اپنے مالی نظام میں آمدنی اور اخراجات کے درمیان توازن برقرار رکھنے کے لیے متعدد اہم اقدامات کیے۔ اس مقصد کے لیے مختلف دیوان یعنی محکمے قائم کیے گئے جو مالیاتی آمدنی اور اخراجات کی نگرانی کرتے تھے۔ ان دیوانوں میں قابل اور

ماہر افسران کو مقرر کیا گیا اور اگر ان سے مالی امور میں کوتاہی، فضول خرچی، یا بدعنوانی کا ارتکاب ہوتا تو انہیں سزا دے کر عہدے سے ہٹا دیا جاتا اور ان کی جگہ بہتر افسران تعینات کیے جاتے۔

خراج

فاطمیوں کے مصر پر قبضے کے بعد جوہر الصقلی نے خراج کی وصولی کے لیے علی بن یحیٰ بن العرمرم کو مقرر کیا اور رجاء بن صولاب کو ان کے ساتھ شریک کیا۔ جوہر نے 358ھ / 969ء میں تین ملین دینار سے زائد خراج اکٹھا کیا، جو اس وقت کے لیے ایک بڑی رقم تھی۔[24] تاہم، 362ھ / 973ء میں المعز لدین اللہ نے جوہر کو مصر کے مالی امور سے ہٹا کر یعقوب بن کلس اور عسلوج بن الحسن کو خراج اور دیگر مالیاتی معاملات کی نگرانی کے لیے مقرر کیا۔ ان دونوں کو ٹیکس کے ایک نئے نظام کی تشکیل کا حکم دیا گیا، جو شکایات کے ازالے اور سخت مالیاتی پالیسیوں پر مبنی تھا۔ اس نئے نظام نے خراج کی وصولی میں نمایاں بہتری پیدا کی۔[25]

خراج کی شرح میں فرق

خراج کی شرح میں فرق درج ذیل عوامل پر منحصر تھا:

- زمین کی زرخیزی۔
- فصل کی نوعیت۔
- پانی دینے کا طریقہ۔[26]

فاطمی خلافت کا مالی نظام انتہائی منظم اور موثر تھا۔ خراج کی وصولی اور اس کی تقسیم کے لیے سخت اصول وضوابط بنائے گئے اور اس میں دیانت داری کو یقینی بنانے کے لیے ماہرین کی ذمہ داری دی گئی۔[27] یہ نظام نہ صرف ریاست کی مالی ضروریات کو پورا کرتا تھا بلکہ عوام کے مفادات کو بھی مد نظر رکھتا تھا، جیسا کہ شکایات کے ازالے اور منصفانہ مالیاتی پالیسیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ نظام اس وقت تک نافذ رہا جب تک فاطمی خلافت 567ھ / 1171ء میں ختم نہ ہو گئی۔ خراج کا یہ منظم نظام مصر کی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ حکومت کے مالیاتی ڈھانچے کو بھی سہارا دیتا تھا۔[28]

فاطمی خلافت میں عدالتی نظام

فاطمی خلافت کے دور میں عدالتی نظام نہایت مضبوط، منظم اور اسلامی تعلیمات پر مبنی تھا۔ قاضیوں کی تقرری قرآن وسنت کے ساتھ فاطمی فقہ کی بنیاد پر کی جاتی تھی اور قاضیوں کو عوام کے درمیان عدل وانصاف کے قیام کے لیے مکمل آزادی حاصل تھی۔

قاضی اور عدلیہ

قاضیوں کی تقرری میں ان کے علم، دین داری اور انصاف پسندی کو بنیادی معیار قرار دیا گیا۔ فاطمی خلفاء نے قاضیوں کو حکم دیا کہ وہ قرآن، سنت اور فاطمی ائمہ کے احکامات کی روشنی میں فیصلے کریں اور کسی بھی قسم کی ذاتی خواہش، قریبی تعلق یا حکومتی دباؤ کو عدالتی فیصلوں پر اثرانداز نہ ہونے دیں۔ قاضیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عوام کے لیے ہمیشہ قابل رسائی ہوں اور ان کے فیصلے طاقتور اور کمزور کے لیے یکساں ہوں۔ قاضیوں کو ان کے مقام اور عزت کا خاص خیال رکھنے کی ہدایت دی گئی۔ قاضی کی مجلس میں نہ کسی کو ان کے لیے کھڑا ہونا چاہیے اور نہ ہی انہیں سلام کرنا چاہیے تاکہ انصاف کی غیر جانبداری برقرار رہے۔ مثال کے طور پر، معزلدین اللہ کے دور میں قاضی قطاط نے معز کے لیے جھکنے سے انکار کر دیا، جس پر معز نے ان کے وقار کو سراہا۔[29]

قاضیوں کا احترام اور مقام

قاضیوں کو عوام اور حکمرانوں دونوں کے درمیان عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ معزلدین اللہ اور الحاکم بامر اللہ کے دور کے قاضیوں کو جیسے ابو حنیفہ النعمان اور ان کے بیٹے محمد بن النعمان، خوب عزت و احترام حاصل تھا۔ الحاکم بامر اللہ نے قاضی کی وفات پر خود ان کی نماز جنازہ ادا کی، جو قاضیوں کے بلند مقام کی علامت ہے۔[30]

عدالتی آزادی اور انصاف

قاضی کی خود مختاری اور انصاف پسندی کو برقرار رکھنے پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ قاضی احمد بن محمد بن ابی العوام نے الحاکم کے قریبی ساتھی کو سخت جواب دے کر اپنی خود مختاری کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح، قاضی حسن الیازوری کا مقام اس قدر بلند تھا کہ وزیر بھی ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا۔[31]

قاضی کا کردار اور اخلاقیات

قاضیوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ سنجیدہ ہوں، مزاح سے پرہیز کریں اور اپنے کردار سے مجلس عدالت میں سنجیدگی کو یقینی بنائیں۔ ایک قاضی، جس نے مذاق میں اپنے لباس پر بیل کے سینگ لگا رکھے تھے، کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ قاضی کے منصب کی سنجیدگی کے منافی تھا۔[32]

قاضی کے اختیارات

فاطمی خلافت کے قاضی نہ صرف عدالتی فیصلے کرتے تھے بلکہ ریاستی معاملات میں بھی ان کا کردار اہم تھا۔ حسن الیازوری، خلیفہ مستنصر باللہ کے دربار میں وزیر کے مشیر کے طور پر موجود رہتے تھے، اور ان کی رائے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ فاطمی خلافت کے عدالتی نظام نے قاضی کے مقام کو انصاف، غیر جانبداری اور آزادی کے اصولوں پر استوار کیا۔ اس نظام کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ قاضی کی عزت اور اس کے اختیار کی حفاظت کی جاتی تھی۔ اگر قاضی اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرتا یا اپنے مقام کا غلط استعمال کرتا تو اسے عہدے سے معزول کر دیا جاتا جیسا کہ ابن الأزرق کے معاملے میں ہوا۔ یہ نظام انصاف کے قیام کے ساتھ ساتھ قاضیوں کے کردار کو بھی بلند کرتا تھا۔[33]

فاطمی خلافت میں سزائیں

فاطمی خلافت میں سزائیں اور قید و بند کے نظام کو مذہبی اور قانونی اصولوں پر استوار کیا گیا تھا۔ یہ سزائیں خلفاء، وزراء، قاضیوں، قضاۃ المظالم، محتسب یا صاحب الشرطۃ کے ذریعے نافذ کی جاتی تھیں۔ کسی بھی معاملے میں شکایت کنندہ کو اپنی شکایت متعلقہ حکام کے سامنے پیش کرنا ہوتی تھی۔ عدالتی نظام شریعت کی بنیاد پر تھا، لیکن اس میں شیعی اسماعیلی فقہ کی روشنی میں فیصلے کیے جاتے تھے۔[34]

سزاؤں کی اقسام

- **اوّل: حدود:** یہ وہ سزائیں تھیں جو شرعی طور پر مقرر تھیں اور مخصوص جرائم پر نافذ کی جاتی تھیں جیسے: قتل، زنا، چوری، شراب نوشی، قذف، ڈاکہ زنی وغیرہ۔[35]
- **دوم: تعزیر:** تعزیر ان جرائم پر عائد کی جاتی تھی جن کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں۔ قاضی، محتسب یا پولیس افسر کو اختیار تھا کہ وہ جرم کی نوعیت کے مطابق تعزیر کا فیصلہ کرے۔ تعزیر کی سزاؤں میں قید، جلاوطنی، جسمانی سزا، سرکاری

عہدے سے برطرفی، معاشرتی شرمندگی جھوٹے گواہ یا ریاست مخالف افراد کی عوامی تذلیل شامل تھیں۔

- **سوم: قید و بند کا نظام:** قیدیوں کے ساتھ رویے اور سزاؤں کے عمل میں محتاط رہنے کے احکامات بھی جاری کیے گئے۔ وزیر ابو عبد اللہ محمد بن فاتک نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں بغیر وجہ کے قیدیوں کو طویل مدت تک قید رکھنے پر پابندی لگائی گئی، کیونکہ کچھ حکام رشوت کے لیے لوگوں کو غیر ضروری طور پر گرفتار کرتے تھے۔[36]

فاطمی خلافت کا عدالتی اور تعزیری نظام اسماعیلی فقہ پر مبنی تھا، لیکن یہ سزائیں عوام کو نظم و ضبط میں رکھنے اور ریاستی معاملات کو منظم رکھنے میں مؤثر ثابت ہوتی تھیں۔ تاہم، بعض اوقات ان سزاؤں میں سختی اور سیاسی بنیاد پر فیصلے بھی دیکھے گئے، جو مخالفین کو دبانے کے لیے کیے گئے۔ اس پورے نظام سے ہی پتا چل جاتا ہے کہ خلیفہ کتنے بااختیار تھے اور ملک چلانے کا ان کا ڈھانچہ کتنا بڑا اور گہرا تھا۔

فاطمی خلافت کا نظام فوجداری

فاطمی خلافت کے قیام کے ساتھ ہی ایک منظم اور کثیر النسلی فوجی نظام وجود میں آیا، جسے "نظام فوجداری" کہا جا سکتا ہے۔ اس فوج کی بنیاد شمالی افریقہ میں اغلبی حکومت کے خاتمے کے لیے رکھی گئی، جہاں ابو عبد اللہ شیعی نے بربری قبیلہ "کتامہ" پر اعتماد کرتے ہوئے فوجی قوت کو منظم کیا۔ یہ فوج بعد ازاں مصر کی فتح 358ھ / 969ء میں کامیاب ہوئی۔ فاطمی فوج کی نسلی ساخت چار اہم گروہوں پر مشتمل تھی: کتامہ، صقالبہ، رویلی اور عرب۔ کتامہ سب سے غالب عنصر تھے، جنہوں نے فاطمی اقتدار کی بنیاد رکھی اور افریقہ میں برتری حاصل کی۔[37] ان کی جنگی مہارت کو خلفاء نے بھی تسلیم کیا، خاص طور پر ابو یزید خارجی کی بغاوت کے دوران۔ صقالبہ، جو اکثر یورپی نسل کے غلام تھے، فاطمی امام کے محافظ بنے اور اعلیٰ فوجی مراتب تک پہنچے۔ ان میں سب سے معروف جوہر صقلی تھا، جس نے مصر سمیت کئی فتوحات سرانجام دیں۔ رویلی، جو سیاہ فام غلام تھے، زویلہ سے منسوب تھے ان کا اپنا ایک الگ فوجی گروپ ہوتا تھا اور ان کا لیڈر بھی انہی کے قبیلے سے ہوتا تھا۔ دوسری طرف جو عرب فوجی تھے، وہ گنتی میں بھی تھوڑے تھے اور ان کی کوئی خاص چلتی بھی نہیں تھی۔ کیونکہ فاطمی خلافت کی بنیاد قبائلی بربری وفاداری پر تھی۔ فاطمی فوج میں گھڑسوار غالب تھے، جنہیں ریاست مکمل عسکری سازوسامان، تنخواہیں اور گھوڑے فراہم کرتی۔ ان کے اسلحے میں نیزے، شمشیریں اور ڈھالیں شامل تھیں۔ پیادہ فوج محاصروں اور براہ راست جنگوں میں مؤثر کردار ادا کرتی۔ مجموعی طور پر، فاطمی دور کا نظام فوجداری محض عسکری قوت نہیں بلکہ سیاسی حکمتِ عملی، نسلی ہم آہنگی، اور انتظامی صلاحیتوں کا جامع مظہر تھا، جس نے نہ صرف داخلی بغاوتوں کو کچلا بلکہ خلافت کو مشرق و مغرب میں وسعت دی۔[38]

حاصل بحث

فاطمی خلافت کے ریاستی ڈھانچے پر یہ تحقیقی مطالعہ ایک ہمہ گیر جائزہ پیش کرتا ہے، جس میں سیاسی، انتظامی، مالی، عدالتی اور عسکری پہلوؤں کو علمی بنیاد پر اجاگر کیا گیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ فاطمی خلفاء کو نہ صرف دینی بلکہ مکمل سیاسی اختیارات حاصل تھے، اور خلافت کو "مقدس خدائی حق" کی حیثیت حاصل تھی۔ ابتدا میں خلیفہ ہی تمام ریاستی امور کا مرکز تھا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ وزراء، خصوصاً افضل بن بدر الجمالی جیسے طاقتور افراد نے خود مختاری حاصل کر لی، جس سے خلافت کی مرکزی حیثیت متاثر ہوئی۔ وزارت کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا: وزارت تنفیذ اور وزارت تفویض، اور اس میں غیر مسلموں کی شمولیت مذہبی رواداری کی مثال بنی۔ فاطمی انتظامی نظام میں دواوین، والیوں اور سرداروں کے ذریعے ریاستی امور چلائے جاتے تھے۔ مالی نظام میں خراج، جزیہ،

زکوٰۃ اور محصولات شامل تھے، جبکہ عدالتی نظام اسماعیلی فقہ پر مبنی تھا، جس میں قاضیوں کو غیر معمولی اختیار اور وقار حاصل تھا۔ عسکری نظام میں نسلی ہم آہنگی کے تحت مختلف اقوام کی شمولیت ہوئی۔ مجموعی طور پر یہ تحقیق فاطمی خلافت کے ریاستی ڈھانچے کی گہرائی اور پیچیدگی کو نمایاں کرتی ہے، جو موجودہ نظم حکمرانی کے لیے بھی ایک بصیرت فراہم کرتی ہے۔

نتائج تحقیق

اس تحقیقی مطالعے سے واضح طور پر یہ نتائج سامنے آئے کہ فاطمی خلافت کا ریاستی ڈھانچہ نہایت منظم، ہمہ گیر اور تہذیبی ارتقاء پر مبنی تھا، جس میں خلیفہ کو دینی و سیاسی دونوں حیثیتوں میں مرکزی مقام حاصل تھا۔ تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافت کا ابتدائی دور نظم و ضبط اور استحکام سے بھرپور تھا، تاہم بعد ازاں وزراء کے اثر و رسوخ، غیر مؤثر خلفاء، مالی بحران، وبائی امراض، اور خارجی حملوں کے باعث ریاست میں کمزوری در آئی۔ وزارت کی تقسیم، انتظامی اداروں دواوین کی تنظیم اور عدالتی خود مختاری نے فاطمی نظام کو فکری اور عملی طور پر ترقی دی۔ خاص بات یہ رہی کہ اس دور میں مذہبی رواداری کے تحت غیر مسلموں کو بھی اعلیٰ ریاستی عہدے دیے گئے، جو کہ اس خلافت کے جامع و شمولیتی نظام کی عکاسی کرتا ہے۔ مالی نظام کی شفافیت، عدالتی آزادی، اور فوجی تنوع نے اس نظام کو مستحکم کیا، جبکہ قاضیوں اور دیوانوں کا کردار کلیدی رہا۔ تحقیق سے یہ بھی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ فاطمی خلافت کا ریاستی نظام ایک فکری و عملی تجربہ تھا جو آج کے جدید اسلامی نظم حکومت کے لیے بصیرت انگیز بنیاد فراہم کرتا ہے۔

تجاویز و سفارشات

- فاطمی دور کی خواتین کی سماجی اور سیاسی شرکت پر الگ تحقیقی مطالعہ کیا جائے تاکہ ان کے کردار کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔
- غیر مسلم وزراء کی پالیسی سازی میں شمولیت کا تقابلی جائزہ لے کر مذہبی رواداری کی حدود و اثرات کا تجزیہ کیا جائے۔
- فاطمی دواوین کے نظم و نسق پر ایک ادارہ جاتی تحقیق کی جائے تاکہ ان کی تنظیمی حکمت عملی واضح ہو سکے۔
- فاطمی مالیاتی نظام کا اثر بعد کی مسلم حکومتوں پر تحقیقی بنیادوں پر جانچا جائے۔
- اندلس اور صقلیہ کی فاطمی تمدنی نقوش کا یورپی معاشروں پر ثقافتی اثرات کے تناظر میں مطالعہ کیا جائے۔

References

1 Al-Maqrīzī, Taqī al-Dīn Aḥmad ibn ʿAlī, *Ittiʿāẓ al-Ḥunafāʾ bi-Akhbār al-Fāṭimiyyīn al-Khulafāʾ*, ed. Dr. Jamāl al-Dīn al-Shayyāl (Cairo, 1387 AH/1967), 2:59.

2 Ibid.

3 Ibn al-Athīr, Abū al-Ḥasan ʿAlī ibn Muḥammad al-Shaybānī, *Al-Kāmil fī al-Tārīkh* (Beirut: Manshūrāt Dār al-Kitāb al-ʿArabī, 2nd ed., 1387 AH/1963), 7:178.

4 Ibn Khallikān, *Wafayāt al-Aʿyān* (Beirut: Dār Ṣādir, 1968), 1:270.

5 Al-Maqrīzī, *Ittiʿāẓ al-Ḥunafāʾ*, 2: 116, 130.

6 Al-Qalqashandī, *Ṣubḥ al-Aʿshā fī Ṣināʿat al-Inshāʾ* (Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 1913), 6: 458–463.

7 Zaydān, Jurjī, *al-Tamaddun al-Islāmī* (Beirut: Dār al-Hilāl, 1912), 1: 161.

8 Ibid., 1: 162.

9 Al-Qalqashandī, *Ṣubḥ al-Aʿshā*, 6: 458–463.

10 Ibn Khaldūn, *Kitāb al-ʿIbar* (Beirut: Dār al-Fikr, 1981), 4: 55.

11 Ibn al-Athīr, *Al-Kāmil fī al-Tārīkh*, 9: 81.

12 ʿImārah ibn ʿAlī ibn Zaydān al-Ḥakamī al-Madhḥijī al-Yamanī, Abū Muḥammad Najm al-Dīn, *al-Nukat al-ʿAṣriyyah fī Akhbār al-Wuzarāʾ al-Miṣriyyah*, ed. Hartwig Derenbourg (Paris: Maṭbaʿat Marsau bi-Madīnat Châlons, 1897), 1: 37.

13 ʿInān, Muḥammad ʿAbd Allāh, *Miṣr al-Islāmiyyah wa-Tārīkh al-Khuṭaṭ al-Miṣriyyah* (Cairo: Maktabat al-Khānjī, 1969), 257.

14 Ibn Muyassar, *Tārīkh Miṣr* (Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 1919), 2: 92

15 Ibid.

16 Ibid., 2: 93.

17 Ibn al-Athīr, *Al-Kāmil fī al-Tārīkh*, 9: 100.

18 Munjib al-Ṣayrafī, *al-Ishārah ilā man Nāla al-Wizārah* (Cairo: Dār al-Kutub al- Miṣriyyah, 1947), 33.

19 Musharrafah, *Niẓām al-Ḥukm bi-Miṣr fī ʿAṣr al-Fāṭimiyyīn* (Cairo: Dār al-Maʿārif, 1956), 124.

20 Al-Qalqashandī, *Ṣubḥ al-Aʿshā*, 1: 104–105.

21 Al-Maqrīzī, *al-Khiṭaṭ* (Cairo: Maṭbaʿat Būlāq, 1853), 1: 401.

22 Al-Qalqashandī, *Ṣubḥ al-Aʿshā*, 1: 104–105.

23 Munjib al-Ṣayrafī, *al-Ishārah ilā man Nāla al-Wizārah*, 33.

24 Ibn Ḥawqal, *al-Masālik wa-al-Mamālik* (Beirut: Dār Ṣādir, 1969), 136–137.

25 Ibn Ẓahīrah, *al-Faḍāʾil al-Bāhirah* (Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 1961), 126.

26 Al-Barāwī, Rāshid, *Ḥālat Miṣr al-Iqtiṣādiyyah fī ʿAhd al-Fāṭimiyyīn* (Cairo: Maṭbaʿat Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 1948), 288.

27 Al-Maqrīzī, *al-Mawāʿiẓ wa-al-Iʿtibār fī Dhikr al-Khiṭaṭ wa-al-Āthār*, 58.

28 Ibid., 58.

29 Al-Māwardī, *al-Aḥkām al-Sulṭāniyyah* (Cairo: al-Maṭbaʿah al-Amīriyyah, 1328 AH), 55.

30 Al-Barāwī, *Ḥālat Miṣr al-Iqtiṣādiyyah*, 289.

31 Ibid., 290.

32 Ibn Muyassar, *Tārīkh Miṣr*, 2: 46.

33 Ibn Iyās, *Badāʾiʿ al-Zuhūr fī Waqāʾiʿ al-Duhūr* (Cairo: al-Hayʾah al-Miṣriyyah al-ʿĀmmah lil-Kitāb, 1982), 1: 55–56.

34 Musharrafah, *Niẓām al-Ḥukm bi-Miṣr fī ʿAṣr al-Fāṭimiyyīn*, 3: 263.

35 Al-Māwardī, *al-Aḥkām al-Sulṭāniyyah*, 58.

36 Al-Maqrīzī, *al-Mawāʿiẓ wa-al-Iʿtibār*, 3: 101.

37 Dachraoui, Farhat. *Le califat fatimide au Maghreb (296-362/909-973): Histoire politique et institutions*. (Tunis: Société Tunisienne de Distribution, 1981), 364–65.

38 Basset, R. "Kutama." In *The Encyclopaedia of Islam*, 2nd ed., Vol. 5, 544–545. Leiden: E.J. Brill, 1986.